سوال نمبر 2 (الف) (i)

تعلیم کے دوسرے دور

تعلیم کا دوسرا دور دلچسپیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس دور میں اسلام بہت پھیل چکا تھا۔ دریائے سندھ کے کنارے تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔ بہت سے قبیلے اس اسلامی ریاست میں دور دراز علاقوں سے رہنے آتے تھے۔ اور بہت سی قوموں نے اسلام قبول کیا۔

سوال نمبر 2 (الف) (ii)

تعلیم کی سرپرستی میں حکومت کا کردار

تعلیم کے اس دوسرے دور میں البتہ تعلیم نے بہت ترقی کی لیکن اس ترقی میں حکومت کا کوئی ہاتھ نہ تھا ۔ نہ یونیورسٹیاں، نہ اسکول، نہ مدرسے بنائے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت بے تعلق تھی علم سے ۔ اُن کو صرف اور صرف حکمرانی کا نشہ تھا اور وہ باقی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی فرائض سے بے تعلق تھی ۔

سوال نمبر 2 (الف) (iii)

علوم و فنون کی زبان

اس دور میں تمام علوم پر عربی کی مہر لگی ہے۔ یعنی تمام علوم و فنون عربی زبان میں تھے۔ اس دور کے مشہور تعلیمی مراکز میں مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس، خوارزم، بغداد، شام، اندلس شامل ہیں۔ ادھر کے عالموں نے خود کوشش کر کے مدرسے، درس گاہیں تعمیر کی تھی۔

سوال نمبر 2 (الف) (iv)

تعلیم کی تحصیل کی جگہیں

اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے
علما کے ذاتی مکانات مخصوص تھے۔ لیکن ان سادہ اور بے تکلف
عمارتوں میں ایسی تعلیم دی جاتی تھی جو شاید آج کل کی تعلیم سے
بھی بہتر تھی۔

سوال نمبر 2 (الف) (۷)

عبارت کے اہم نکات

۱) تعلیم کے دوسرے دور میں اعلیٰ تعلیم اور اوسط نے ترقی کی۔
۲) اس تعلیم کے حصول کے لیے حکومت نے کوئی اقدامات نہ کیے۔
۳) علامہ علماء اور پڑھے لکھے لوگوں نے خود ہی اپنے چھوٹے مکتبوں، مکانوں، مدرسوں وغیرہ کے ذریعے یہ تعلیم پھیلائی۔
۴) سارا علم عربی زبان میں تھا۔

سوال نمبر 2 (الف) (vi)

سوال نمبر 2 (ب) (i)

نوجوانوں کو ترغیب

ان اشعار میں شاعر نے نوجوانوں کو ہمت سے کام لے کر، ایمان مضبوط کر کے اپنے وطن کے لیے جان قربان کرنے کی تلقین کی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ وطن کے لیے اپنی جان، مال سب قربان کر دو۔ اور یہ وطن تم کو ہمیشہ یاد رکھے گا اور تمہارا بول بالا ہو گا

سوال نمبر 2 (ب) (ii)

مرکزی خیال

اس نظم میں شاعر نے مسلمان نوجوانوں کو اپنے وطن کی خاطر کھڑے ہونے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ قوم کے جوان ہی قوم کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ شاعر نے نوجوانوں کا حوصلہ بڑھایا ہے اور انہیں اپنے وطن کی دفاع کے لیے جان بھی قربان کرنے کا درس دیا ہے۔

سوال نمبر 2 (ب) (iii)

شعر کا مفہوم

تیسرے شعر میں شاعر وطن کے نوجوانوں کو اپنی تلواریں اُٹھانے اور دشمنوں کی صفوں کو گرانے کا کہہ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اُن کا حوصلہ بھی بڑھا رہے ہیں۔

سوال نمبر 2 (ج) (i)

عشق میں جیت اور ہار

عشق میں جیت اور ہار کو ایک ہی جیسا مقام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس راہ میں کوئی ہار جیت نہیں ہوتی۔ جو اپنے عشق کو پا لیتا ہے وہ دنیا کی تمام خوشیاں سمیٹ لیتا ہے اور جو ناکام ہوتا ہے اس کو بھی دنیا اپنا ہیرو مانتی ہے۔ کیونکہ عشق کی راہ بہت پرکٹھن ہے جو بھی اس راہ میں گیا، وہ جیت کر ہی لوٹتا ہے۔

بقول شاعر

دل ٹوٹ بھی جائے تو محبت نہیں مٹتی
یہ وہ راہ ہے جس میں لٹ کر بھی خسارہ نہیں ہوتا

سوال نمبر 2 (ج) (ii)

دردِ ہجر میں انسانی کیفیت

دردِ ہجر میں انسان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اس کا دل پتھر ہو جاتا ہے اور اب وہ کچھ بھی محسوس نہیں کرتا۔ وہ اپنے محبوب کی بے رخی پر بھی کوئی شکایت نہیں کرتا کیونکہ اس کو اس دکھ کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ اکیلا رہ کر بت کی مانند ہو جاتا ہے جو اپنے اردگرد کے مصائب سے بالکل لاتعلق ہوتا ہے۔

بقول شاعر

اے غمِ زندگی ہم سے نہ ہو ناراض
کہ مجھ کو تو مسکرانے کی عادت ہے

سوال نمبر 2(د) (i)

الف :- دی

ب :- چاننا

ج :- گیا

سوال نمبر 2 (د) (ii)

مطلع :- مطلع کے لغوی معنی ہیں "طلوع ہونے کی جگہ"۔ غزل یا قصیدے کے پہلے شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں، مطلع کہلاتا ہے۔

مثلاً "

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1)

تشریح :-

تشریح طلب پیراگراف ایک خاکہ سے لیا گیا ہے جس میں مصنف نے مولوی عبداللہ کی شخصیت بتائی ہے۔ خاکہ کے لفظی معنی نقشہ یا ڈھانچہ کے ہوتے ہیں۔ اس میں کسی انسان کی خوبیاں اور خامیاں بیان کی جاتی ہے۔ کہ ہمیں اس شخص کی شخصیت پتا چل جاتی ہے۔

پیراگراف میں مصنف اپنی مولوی صاحب کے ساتھ ایک گفتگو بیان کر رہے ہیں۔ جس میں وہ دنیا کی ناانصافیوں پر بات کر رہے ہیں۔ دراصل مولوی صاحب جب اس دنیا کی خودغرضی اور نااہلی دیکھتے تھے تو ان کو اپنے برے وقت یاد آتے تھے جس کی وجہ سے وہ بہت غصہ کرتے تھے۔
مصنف مولوی صاحب کا دل ہلکا کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ تو دنیا ہے آخرت تھوڑی نہ ہے کہ سب کو انصاف ملے گا۔ اور جو جیسا کرے گا اس کے ساتھ بھی ویسا ہوگا۔ دراصل مولوی صاحب یہ بولنا چاہتے تھے وہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔

بقول شاعر

ظلم تو پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جائے گا
خون تو پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

مصنف مزید سمجھاتے ہیں کہ یہاں تو ہمیشہ طاقت ور کا ہی راج رہے گا۔ جس کے پاس پیسہ ہے اس کی عزت ہے۔

لیبر کی تو کوئی اہمیت نہیں اس مادیت پرست دنیا میں۔ آپ کیوں دکھی اور اداس ہوتے ہیں۔ بس جو اللہ نے دیا ہے وہی کافی ہے اور اسی پر شکر کیجیے۔ مصنف کچھ یوں کہنا چاہ رہا ہے کہ

کہاں آ کے رستے رکتے ہیں، کہاں موڑ تھا اسے بھول جا
جو مل گیا اسے یاد رکھ، جو نہیں ملا اسے بھول جا

مصنف مولوی سے کہتے ہیں کہ کچھ ہی زندگی باقی رہ گئی ہے، اس میں مزے کریں اور خوش رہیں۔ لیکن مصنف کو ساتھ ساتھ یہ بھی گمان ہے کہ مولوی صاحب نے کون سا اُس کی بات پر غور اور عمل کرنا ہے۔ وہ تو اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ اُنہوں نے تو اپنے دل کے زخم کی مرہم کرنی ہے۔ ساری عمر وہ تکلیف میں رہے اور حق کی آواز بلند کرنے کی وجہ سے مصیبت اُٹھائی، اب جب وہ نا اہلوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوا دیکھتے تھے تو اُن کے زخم اور تازہ ہو جایا کرتے تھے۔ اسی لیے وہ ایسے غدار اور خود غرض لوگوں کو اچھی خاصی سنا دیا کرتے تھے اور ایسا کرنے سے اُن کا دل ہلکا ہو جاتا تھا اور تھوڑا سا سکون ملتا تھا

بقول شاعر

تو نے جس خون کو مقتل میں چھپانا چاہا
آج وہ کوچہ و بازار میں آ نکلا ہے

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1)

تشریح :-

یہ اشعار نظم "مناظرِ سحر" سے لیے گئے ہیں جس کے شاعر جوش ملیح آبادی ہیں۔ اس نظم میں انہوں نے صبح کے دلکش مظاہرے بیان کیے ہیں جو روح کو سرشار کر دیتے ہیں اور دل میں ایک تازگی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

بقول شاعر

یکایک ایک تازگی یکایک ایک روشنی
دل میں اتر گئی حیات میں سما گئی

شاعر صبح کا یہ منظر اور خاصیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہی وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ اس وقت اپنے رب سے اپنے دکھ سکھ بتا کر دل کی تمام اداسی ختم ہو جاتی ہے۔ دراصل جب انسان اپنے خالق و مالک سے بات کرتا ہے تو وہ سکون محسوس کرتا ہے۔ بقول شاعر، صبح کے وقت، اکیلے میں جب انسان اپنے رب سے بات دل کی باتیں کرتا ہے، تو اس کا دل ہلکا ہو جاتا ہے۔

بقول شاعر:

عبادتوں کے در کھل گئے
سعادتوں کے در کھل گئے
درِ قبول وا ہوا
دعاؤں کا وقت آ گیا

شاعر مزید کہتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی رحمت برساتا ہے اور یہ اُنہی لوگوں کے نصیب میں ہوتی ہے جو اس وقت اُٹھے ہوتے ہیں۔ جو لوگ سو رہے ہوتے ہیں وہ اس رحمت و انعام کے حق دار نہیں ہوتے اور رہ جاتے ہیں۔ شاعر دراصل صبح کے وقت کی اہمیت بتا رہا ہے کہ اس وقت انسان اپنے رب سے جو مانگتا ہے، وہ اسکو عطا فرماتا ہے کیونکہ نیک انسان ہی اس وقت بیدار ہو کر اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ غفلت سے سرشار لوگ تو نیند کے نشے میں ہوتے ہیں اور سونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ یہ جو نعمتوں اور رحمتوں کا وقت ہے، اس میں تو سونے کی کوئی تُک نہیں۔ یہی موقع ہے اللہ سے قریب ہونے کا، اس کو ہاتھ سے مت جانے دینا۔ شاعر صبح کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے

بقول شاعر

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
پھولوں سے ہے دامنِ صحرا بھرا ہوا

آخری شعر میں شاعر کہتا ہے کہ اس وقت اپنے رب کے سامنے رونے میں جو لذت اور مزہ ہے جو کسی اور وقت نہیں۔ کیونکہ صبح کے وقت، صرف اللہ اور انسان ہوتا ہے، ان کے بیچ میں کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔ اس لیے آدمی سکون سے اللہ کے سامنے رو کر اپنی حاجت بتا سکتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ خود پرستی اور غرور سے باہر آجاؤ اور اپنے رب کے نزدیک آؤ۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1)

شعر # ۱

تشریح :-

اس شعر میں شاعر اپنی بدقسمتی کا نوحہ رو رہے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ میری زندگی میں صرف دکھ و تکلیفیں ہیں - میرے حصے میں کوئی خوشی نہیں لکھی گئی - شاعر اس کی وضاحت کے لیے ایک درخت کی مثال لیتے ہیں جو اُن کے گھر میں لگا ہوا ہے - یہ ایک پھل دار درخت ہے - مگر شاعر اتنا بدنصیب ہے کہ اس درخت کے سارے پھل دیوار کی دوسری طرف جا گرتے ہیں اور شاعر کے حصے میں صرف پتھر ہی آتے ہیں - یہاں پر پھل سے مراد خوشیاں ہیں جبکہ پتھر سے مراد مصائب ہیں -

بقول شاعر

اپنے ہی سائے سے خوف آتا ہے
بے خبر کس مقام پر چل میں

یعنی شاعر کہنا چاہتے ہیں کہ وہ درخت جو شاعر نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے اس کا پھل بھی اُنکو نصیب نہیں - یعنی جب بھی شاعر خوشیوں کی اُمید کرتا ہے اور محنت کرتا ہے، اُس کو تب بھی صرف اور صرف دکھ اور تکلیف ہی ملتا ہے - اسی لیے شاعر ہر وقت بے چین اور بے دل رہتا ہے۔

شعر # ۲

تشریح:-

اس شعر میں شاعر اپنی خودداری اور غیرت مندی کا ذکر کر رہے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ بے شک میں بے بس ہوں اور مجھ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ آیا ہے مگر پھر بھی میں کسی کا محتاج نہیں ہوں گا اور نہ ہی کسی کی مدد مانگوں گا۔ شاعر کہتے ہیں کہ چاہے مجھ پر کتنے ہی برے دن آجائیں اور کتنے ہی پتھر میرے صحن میں آ کر گریں۔ میں کبھی کسی کی بھیک نہیں مانگوں گا اور اپنی مدد آپ کے تحت اس مشکل سے نکل جاؤں گا۔

بقول شاعر:

جس دن مری جبین کسی کی دہلیز پر جھکے
اس دن میرے سر پر خدا اشکاف رکھ

شاعر ایک دیوار کی مثال دیتے ہیں کہ جس طرح دیوار کا سایہ دیوار پر ہی گرتا ہے اسی طرح میں بھی اپنے آپ پر ہی بوجھ بنوں گا اور نہ ہی کسی اور پر۔ شاعر نے دیوار اپنے آپ کو تشبیہ دینے کے لیے استعمال کی ہے۔ کہ اگر کسی دن میں بھی اس دکھ درد کی وجہ سے گر پڑا تو اپنے ہی سائے پر گروں گا یعنی اپنے ہی پیروں پر کھڑا رہے گا۔ یہ شعر دکھاتا ہے کہ اتنی مصیبتیں اور تکلیفیں کاٹنے کے باوجود بھی شاعر خوددار ہیں اور کسی کو اپنے مسائل میں شامل نہیں کرنا چاہتے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3)

شعر # ۳

تشریح:-

اس شعر میں شاعر اپنی بدقسمتی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری زندگی پہلے ہی درد و دکھ کا مجموعہ ہے اور تو اور خوشیاں بھی میرے در پر آتے آتے غم ہی بن جاتی ہیں۔ شاعر جب خوشیوں کی امید رکھتا ہے اور اس کا انتظار بھی کرتا ہے، تب بھی اس کو جواب میں صرف درد ہی ملتا ہے۔ شاعر اس کی مثال ستاروں سے دیتا ہے۔ ستارے رات کی تاریکی میں روشنی دیتے ہیں اور اپنی روشنی سے ہر سو ہر چیز منور کر دیتے ہیں۔

بقول شاعر:

صبح کا انتظار ہے مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
کہیں یہ سحر آہستہ آہستہ شام تک نہ پہنچے

مگر شاعر کی زندگی اتنی اندھیری ہے کہ یہ ستارے بھی اس کو روشن نہیں کر پاتے بلکہ یہ شاعر کی تاریک زندگی میں آ کر اسی اندھیرے میں شمار ہو جاتے ہیں۔ شاعر اپنی قسمت سے بہت مایوس ہے۔ اب تو اس نے امید بھی چھوڑ دی ہے کیونکہ اس کو پتہ ہے کہ اس کے صحن میں بہار نے بھی خزاں ہی بن جانا ہے اور پھول نے کانٹا۔ اس شعر میں شاعر کے دکھ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اب ستارے بھی اس کے لیے امید کی کرن نہیں ہیں۔

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1)

"درخواست"

بخدمت جناب یونین کونسل، ا-ب-ج

جنابِ اعلیٰ!

اسلام علیکم،

مودبانہ گزارش ہے کہ میں محلہ ا-ب-ج کی رہائشی ہوں اور کئی سالوں سے ادھر رہ رہی ہوں۔ مگر موجودہ کچھ سالوں میں یہاں کی آلودگی میں اضافہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے رہائشیوں کا جینا دشوار ہوا ہوا ہے۔

یہ آلودگی اور گندگی اسی لیے بڑھ گئی ہیں کیونکہ کوئی اس پر پابندی لگانے والا نہیں ہے۔ لوگ اپنا کچرا سیدھا سڑکوں پر لا لا کر پھینک رہے ہیں جبکہ محلہ میں مخصوص کچرادان موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر شخص جو بھی استعمال کر رہا ہو، کچھ کھا رہا ہو، اس کا گند وہ وہی پھینک دیتا ہے جہاں وہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ محلے میں اس کچرے اور گندگی کو اٹھانے کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے۔ نہ تو کچرا اٹھانے والا ٹرک وقت پر آتا ہے اور نہ ہی ہمارے محلے کی صفائی باقاعدگی سے کروائی جاتی ہے۔

یہ بڑھتی ہوئی آلودگی صحت کے لیے مضر ہے۔ اس کے صحت پر بہت برے اثرات ہیں۔ اور اس سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اسی لیے حکومت کو چاہیے کہ اقدامات کرے۔ لوگوں کو صفائی کی تعلیم دی جائے اور آلودگی پھیلانے والوں کو سزا اور فائن کیا جائے۔ اس کے علاوہ، محلہ کے

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2)

صفائی انچارج سے بات کی جائے کہ روز کچرا اُٹھانے کا انتظام کیا جائے۔ اگر اس مسئلے کو ابھی حل نہ کیا تو یہ لبر بڑھتا ہی چلا جائے گا اور اس محلے میں رہنا ناممکن ہو جائے گا۔

اُمید ہے کہ آپ میری درخواست پر عمل کریں گے اور ہمارے محلے کو اس آلودگی سے پاک کریں گے۔
معاون کا شکریہ۔

عین نوازش ہوگی۔

مورخہ
۱۵ مئی ۲۰۲۴ء

العارض
ا۔ ب۔ ج۔ د

مضمون

"حب الوطنی کے تقاضے"

وطن زمین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جہاں انسان جنم لیتا ہے، جہاں وہ پرورش پاتا ہے اور رہتا ہے۔ حب کے معنی ہوتے ہیں محبت۔ "حب الوطنی" سے مراد ہے اپنے وطن سے محبت۔ اور جو شخص اس جذبے سے سرشار ہو، اُسے کہتے ہیں "محب الوطن"۔ ظاہر ہے انسان جہاں رہتا ہے، اس کو وہاں کی عادت ہوتی ہے اور اس سے پیار بھی ہوتا ہے۔

بقول شاعر

جنت سے بھی زیادہ حسین ہے جو میرا وطن ہے
ہمسفر ہے فلک کی جو زمین وہ میرا وطن ہے

حب الوطنی ایک فطری جذبہ ہے جو ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے انسان جہاں بڑا ہوا، جہاں اس نے اپنے پہلے قدم لیے، جہاں کی فضاؤں میں اُس نے کھیلا کودا، اُس کو اُس سے پیار ہو ہی جاتا ہے۔ یہ جذبہ تو حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جانور بھی اپنے گھر کو یاد رکھتے ہیں اور اگر ہم ان کو گھر سے ان کو نکال دیں تو وہ اداس ہو جاتے ہیں۔ تو انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ اس میں تو یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2)

ایک سچا محب الوطن اپنے ملک کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے یہی تو حب الوطنی کا تقاضہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنے ملک کے لیے قربان ہونے کو تیار رہو۔

بقول شاعر

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا ہر ذرہ مجھ کو دیوتا ہے

محبت کا تقاضہ ہے کہ جس سے محبت کی جائے، اُس کے لیے اپنی جان، آن، مال، سب لٹانے کو تیار رہو۔ وفا محبت کا پہلا تقاضہ ہے۔ وطن سے وفا یہی ہے کہ وطن کی دفاع کے لیے محنت اور کوشش کی جائے۔ کوئی بھی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس کا ہر فرد محنت اور لگن سے کام نہ کرے۔ اللہ بھی کہتا ہے کہ جو قوم خود کو بدلنا ہی نہیں چاہتی، اسکو میں نہیں بدلوں گا۔

بقول شاعر

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

اپنے ملک کو ترقی کی بلند لیول پر پہنچانے کے لیے ہمیں اپنی سستی اور کاہلی چھوڑنی پڑے گی اور آگے بڑھنا ہوگا۔ آج کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہم کم ہمت اور سست ہو گئے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ کر ترقی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہماری قوم کا مستقبل ہمارے ہی ہاتھوں میں ہے۔

بقول شاعر:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

تاریخ میں بھی دیکھا جائے تو وہ قومیں عروج پر تھی جن کے لوگ ایک ہو کر ملک کی دفاع چاہتے تھے۔ آج کل کی مادہ پرستی نے انسان کو خود غرض بنا دیا ہے۔ ہر کسی کو بس ذاتی مفاد چاہیے ہوتا اور کوئی ملک کے بارے میں نہیں سوچتا۔ ہم ہمارے اندر اتحاد ہی نہیں رہا۔ حب الوطنی کے تقاضوں میں اتحاد بہت اہمیت کا حامل ہے۔ جب کسی قوم کے فرد متحد ہوں گے تو ہی وہ آگے بڑھ کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ایک دوسرے کے درمیان نفرت حسد، دشمنی پیدا ہو جائے تو وہ قوم دیمک لگے درخت کی طرح گر جاتی ہے۔

بقول شاعر:

ایک ہو مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

ہمارا ملک اسلام کے نام پر تخلیق ہوا۔ یہ اس لیے بنایا گیا کہ مسلمان اسلام کے لحاظ سے اپنی زندگی گزار سکیں۔ اس آزادی کے لیے کئی لوگوں نے اپنی جانیں دی۔ اب یہ ہمارا اپنے ملک پر فرض ہے کہ ہم اس کو ترقی یافتہ بنائیں اور اس کو دشمن سے ہمیشہ محفوظ رکھیں۔ اس وطن نے ہی ہمیں سب کچھ دیا: آزادی، پہچان، محبت، اتحاد، اب ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے ملک کو اس زوال سے نکالیں جس میں وہ ابھی پھنسا رہے۔

بقول شاعر:

اس قوم کو شمشیروں کی حاجت نہیں پڑتی
ہو جس قوم کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

اگر ہم اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں اس برے وقت میں اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ جو لوگ وطن کے نام پر اللہ کی راہ میں قربان ہوتے ہیں، وہ شہید ہوتے ہیں اور اس سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں۔ اس لیے اپنے ملکی دفاع کے لیے ہمیں لڑتے رہنا چاہیے اور اگر جان قربان کرنے کی بھی نوبت آئے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ یہی حب الوطنی کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنے وطن کو اپنی جان سے آگے رکھیں اور ذاتی مفاد کی جگہ ملکی مفاد کے بارے میں سوچیں۔

بقول شاعر:

اٹھاؤ تیغ بے اماں، وطن کے پاک نام پر
لٹا دو عمر نوجوان، وطن کے پاک نام پر